"مساواتِ عامہ" کی نوایجاد اصطلاح سے مراد جو اجتماعی حالت ہے وہ یہ ہے کہ :-

ا۔ لوگوں کے لئے زندگی بسر کرنے کے لوازمات بہر حال عام ہو جائیں اور ان میں محرومی باقی نہ رہے،

ب۔ معاشی جدوجہد کے مواقع میں برابری پیدا ہو جائے اور ایک طبقے کے لوگ ایسے بےبس نہ ہوں کہ دوسروں کی غلامی میں معاشی زندگی بسر کریں،

ج۔ معاشی عدمِ مساوات جس حد تک تقاضائے فطرت ہے، اس سے بڑھنے نہ پائے تاکہ اخلاقی مساوات بحال رہ سکے۔

یہاں مدعا یہ نہیں کہ فرد فرد ہر لحاظ سے برابر سرابر ہو کہ نقدی، وسائل، مکان، زمین، سامان کی جتنی مقدار ایک کے پاس ہو اتنی ہی دوسرے کے پاس بھی ہو، بلکہ مراد یہ ہے کہ سوسائٹی کی عام فضا اتنی اصلاح پذیر ہو جائے کہ جائز فطری حدود سے بڑھی ہوئی ناہمواریاں نہ ہوں اور ضروریاتِ زندگی کے حصول میں پوری پبلک برابر کے حقوق پائے۔ "مساواتِ عامہ" کی یہ اصطلاح مفروضہ تصور پر مشتمل نہیں ہے، بلکہ یہ اس حالت کا نام ہے جس کے پیدا کرنے کے لئے ایک طرف یہ حکم ہے کہ ریاست کی آمدنیاں کہیں طبقۂ امراء ہی میں گردش نہ کرتی رہیں اور کہیں یہ حکم ہے کہ اسلامی ریاست فقراء، مساکین، اور دوسرے ضرورت مندوں پر صرف کرے وغیرہ۔

قراردادِ مقاصد اور ہمارے حکمران

سوال :- (۱) قراردادِ مقاصد کے متعلق لکھا گیا ہے کہ "حکومت نے گھٹنے ٹیک دیئے اور نہایت شرافت سے پاس کیا"۔ یہ نہایت شرافت کی شرط جو لگائی گئی ہے کیا یہ طنز ہے یا حکومت کی نیک نیتی پر دال ہے؟ اگر حکومت نیک نیت نہیں تو پھر شرافت کا کیا تعلق ہے۔

قراردادِ مقاصد اگر محض "بورڈ" ہے، لیبل ہے، اشتہار ہے، تو کیا اس خالی تختے کے لگنے سے اتنا انقلاب آگیا ہے کہ ہم ان انتخابات، اسمبلیوں اور اداروں میں حصہ لیں جو اس سے پہلے ممنوع و مردود تھے؟ یہ بورڈ نہ ہوتا تو اندر جا کر حالات بدلنے کی کوشش سے گریز کرنا ضروری ہوتا۔

(۲) قراردادِ مقاصد کی ماہیت کے متعلق جماعت اسلامی کی طرف سے جو بیانات اور تصریحات شائع

پذیر ہوئے ہیں، غالباً آپ نے ان کو ملاحظہ نہیں فرمایا۔ اگر یہ شبہ درست ہو تو اس سلسلے کی ضروری چیزوں کو بغور پڑھ لیجیے۔ یہاں مختصراً چند اشارات عرض کیے جاتے ہیں، شاید ان سے آپ کو صورتِ واقعہ کے سمجھنے میں مدد مل سکے:۔

ا۔ قراردادِ مقاصد درحقیقت ملّتِ پاکستان کا اعلان ہے جسے اس نے اپنے مقرر کیے ہوئے چند نمائندوں کے ذریعے دستوری حیثیت سے نشر کرایا ہے، تاکہ یہ آئندہ بننے والے دستور و نظام کی اساس قرار پائے۔ اس میں دیکھنا یہ نہیں کہ اعلان کرنے والے اشخاص کون تھے، اور ان کی نیتیں کیا تھیں، بلکہ سوال یہ ہے کہ ملّت کیا چاہتی تھی اور اسکی نیت کیا ہے۔ اس قرارداد کے پاس ہو جانے کے بعد اب چاہے اس کے پاس کرنے والے اپنی تقریروں میں اور اپنے عمل سے اس کے ایک ایک لفظ کی تردید کرنے کی کوشش کریں، جب بھی اس کا ہر لفظ اٹل ہے، تاوقتیکہ (خدانخواستہ) ملّت خود اس سے انحراف کا فیصلہ نہ کرے۔

ب۔ جہاں تک ریاستِ پاکستان کے وجود کو پیشِ نظر رکھکر قراردادِ مقاصد کی حیثیت متعین کرنے کا سوال ہے، اس قرارداد کی نوعیت بالکل وہی ہے جو کسی فرد کے کلمۂ طیبہ ادا کرنے کی ہوتی ہے کہ وہ خدا کی حاکمیت اور اس کے نبی کی شریعت کی پابندی میں زندگی بسر کرنے کا وعدہ و اقرار کرتا ہے اور اس اقرار کی بنیاد پر اسے مسلمان ہونے کے حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔ ریاست کی زبان دستور ساز اسمبلی ہوتی ہے اور اس نے بھی خدا کی حاکمیت اور اس کے نبی کی بتائی ہوئی "حدود اللہ" کی پابندی کا اقرار کر کے گویا پوری ملّت اور ریاست کی اجتماعی ہستی کی طرف سے کلمۂ طیبہ ادا کیا ہے اور اس بنیاد پر اسکو اسلامی ریاست کے سارے حقوق حاصل ہو چکے ہیں۔

ج۔ لوگوں کو کھٹک جو ہوتی ہے وہ ساری کی ساری اس وجہ سے ہے کہ ہمارے ملک کے لیڈر اور حکمراں جنہوں نے ملّت و ریاست کے مقرر کردہ وکیلوں کی حیثیت سے ملّت و ریاست کی طرف سے کلمہ ادا کیا ہے، وہ اسلام کی نگاہ میں پسندیدہ لوگ نہیں ہیں اور نہ اس کلمہ کی ادائی کے بعد ان میں کوئی تبدیلیاں آئی ہیں۔ حالانکہ ریاست ایک الگ چیز ہے اور اربابِ قیادت یا حکمراں الگ چیز ہیں۔ حکمراں جو قصور کریں وہ ان کے اپنے قصور ہیں اور ریاست میں اگر کوئی صنعت پائی جائے تو وہ اسکی اپنی صنعت ہے۔ ریاست غلط ہو جائے تو اسے درست کرنے کے لئے پورے دستوری نظام کی اصلاح کرنی پڑتی ہے اور حکمراں بگڑ جائیں تو یا تو ان کو راہِ راست پہ لایا جاتا ہے یا ان کو الگ

کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر جب جماعت اسلامی حکمرانوں کی اصلاح سے مایوس ہوگئی تو اس نے انقلاب قیادت کی دعوت عام کا آغاز کر دیا اور اب وہ نئے حکمرانوں کو اوپر لانے کی جدوجہد میں مصروف ہے درحقیقت حکمرانوں اور لیڈروں کا مقام ایک ریاست کے تعلق سے بالکل وہی ہوتا ہے جیسا کہ ایک عبادت گاہ کے خدام کا ہوتا ہے جنہیں اس عبادت گاہ سے تعلق رکھنے والے عوام مقرر کرتے ہیں۔ اب اگر کسی عبادت گاہ کے خدام اُس عبادت گاہ میں فسق و فجور کے ہنگامے گرم کریں، درآنحالیکہ خود انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اس عبادت گاہ کے صدر دروازے پر "مسجد" کا بورڈ لگایا ہو تو اوّل تو اُن سے باز پرس کی جائیگی کہ اس بورڈ کو لگا دینے اور اس گھر کے مسجد ہونے کا اعلان کر دینے کے بعد اب تم کو حق کیا ہے کہ تم اس عبادت گاہ میں رقص و سرود کے ہنگامے بپا کرو، اب تو یہاں تمکو اقامتِ صلوٰۃ اور ذکر الٰہی اور درسِ قرآن کا انتظام کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر ان کی صلاحیتوں سے اور ان کے طرزِ عمل سے قطعی مایوسی ہو جائے تو ان کی برطرفی کا فیصلہ کرنا پڑے گا اور عوام کا فرض ہو گا کہ متفقہ فیصلے کے ساتھ ان کو ہٹا دیں اور اچھے خدام فراہم کریں۔

انگریزی نظام کے تحت سرزمین ہند کی حیثیت ایک بتکدے یا ایک میکدے کی سی تھی۔ مسلمان قوم کے لیڈروں نے عوام کو دعوت دی کہ یہ سارا بتکدہ تو مسجد میں نہیں بدلا جاسکتا، آؤ اسکو تقسیم کرالیں، تاکہ ہم اپنے حصے کی عمارت کو مسجد بنا کر خدا کی عبادت کا حق ادا کر سکیں۔ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور تقسیم ہوگئی۔ ہمارے لیڈر اس تقسیم شدہ جائداد کے اس حصے کے جو پاکستان کے نام سے مسلمانوں کو ملا تھا، از خود منتظم قرار پاگئے۔ لیکن نظام کو سنبھالنے کے بعد ان حضرات نے اپنے قیام صلوٰۃ اور تعمیر مسجد کے وعدوں کو جب بھلانے کی کوشش کی اور متفرق قسم کے بیانات دینے لگے تو قوم میں تشویش پیدا ہوئی۔ اس موقع پر جماعت اسلامی نے مطالبۂ نظام اسلامی کی تحریک کا آغاز کیا تاکہ ایک مرتبہ ان منتظمینِ پاکستان سے ایک دستوری دستاویز حاصل کر لی جائے کہ وہ جلد از جلد اسے مسجد بنائیں گے اور اقامتِ صلوٰۃ کا اہتمام کریں گے۔ یہ کام اللہ کے فضل سے بخوبی انجام پاگیا، جب یہ حقیقت سامنے آئی کہ اس دستاویز کے لکھ دینے اور مسجد کا بورڈ لگا دینے کے بعد بھی بتکدہ جوں کا توں ہے اور اس میں بدستور وہی مشاغل جاری ہیں جو انگریز کے نظام کفرانہ میں جاری تھے، کسی طرح کی تطہیر کا سلسلہ شروع نہیں ہو رہا اور بار بار کی تاکید اور ایک عرصے کے صبر کے بعد جب اپنے اکابر کے متعلق یہ ثابت ہوگیا کہ یہ

بتکدے کو مسجد بنانے پر تیار بھی نہیں ہیں، اور اس میں ذکر و عبادت کو جاری کرنے کی اہلیت بھی نہیں رکھتے تو مجبوراً یہی فیصلہ کیا جا سکتا تھا کہ خدامِ مسجد کو بدل دیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ خدامِ مسجد کے فسق و فجور سے مسجد کے حقوق میں تو فرق نہیں آ سکتا، وہ تو اس دن سے مسجد بن گئی جس دن اس کے مسجد ہونے اور خدا کے لئے وقف ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ پوزیشن بالکل غلط ہوگی کہ آپ اپنے اکابر سے یہ کہیں کہ تم لوگوں نے جو اعلان کیا ہے اور جو بورڈ آویزاں کیا ہے، ہم اسکو نہیں مانتے، کیونکہ تم نے بدنیتی سے یہ کام کیے ہیں۔ بخلاف اس کے کہنا یہ چاہیئے کہ تم نے جب مسجد بنانے، اس میں عبادت کا انتظام کرنے کا اعلان کیا ہے اور اس کے اوپر عبادت گاہ ہونے کا بورڈ لگایا ہے تو پھر یا تو اپنی ذمہ داریاں پوری کر دو یا الگ ہو جاؤ کہ ہم دوسرے کارکنوں سے کام لیں۔ کتنی عجیب بات ہوگی کہ قرض خواہ کو مقروض نے جو تحریر لکھ کے دی ہو، اُس کے ناقابلِ وثوق ہونے کا اعلان خود قرض خواہ کرنے لگے۔ ایسا قرض خواہ تو اپنی رقم ڈبو دے گا۔ اسی طرح ایک وقف نامے کے متعلق اگر پبلک یہ کہے کہ یہ تو بدنیتی سے لکھا گیا ہے تو وقف کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔ اسے تو زور اس پر دینا چاہیئے کہ وقف نامہ لکھا ہے تو فھو المراد، لیکن براہِ کرم اب اپنی تحریر کی شرائط کو پورا کرو۔ عین اسی طرح ہمارے حکمرانوں نے قراردادِ مقاصد کو کسی بھی نیت سے پاس کیا ہو، اب تو یہ ان کے گلے کا پھندا بن چکی ہے اور اسے پکڑ کر ان کو سیدھے راستے کی طرف کھینچا جا سکتا ہے۔

(۲) یہ بات اگر ہم حکمرانوں سے کہیں کہ دیکھئے محض بورڈ لگا دینے سے تو بتکدے کا نظام مسجد کے نظام میں نہیں بدل جایا کرتا، یا محض اعلان ہی اعلان تو ایک نظامِ زندگی کو اسلامی نظامِ زندگی نہیں بنا دیتا، اس کے لئے تبدیلی کے عملی مراحل بھی طے کرنے پڑتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ یہ بورڈ اتار دیا جائے اور اعلان واپس لے لیا جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب عملی ذمہ داریوں کو پورا کیجیے، ورنہ الگ ہو جایئے تاکہ اسے پورا کرنے کے لئے دوسرے لوگ کام کر سکیں۔

(۳) اب مزید ایک پہلو پر غور کیجیے۔ ایک عمارت کے مسجد ہونے کا اعلان ہوتے ہی وہ عمارت مسجد کے حقوق حاصل کرے گی یعنی اس کے املاک کو نقصان سے بچانا، اسکی صفائی کی کوشش کرنا، اسے کسی کے شخصی قبضے میں جانے سے محفوظ رکھنا، یہ سب فرض ہو جائیں گے۔ لیکن اگر اس عمارت کی تطہیر نہ ہوئی ہو بلکہ اس کے اندر

بت بھی پڑے ہوں، تصویریں بھی کندہ ہوں، غیر اسلامی سرگرمیاں بھی جاری ہوں تو یہ نہیں کہا جا سکے گا کہ اس کا نظامِ کار بھی عملاً نظامِ عبادت بن چکا ہے، بلکہ اس کے لئے جد وجہد کرنا فرض ہوگا۔ پھر اسی طرح اس کے منتظمین اگر اذان، اقامت، امامت، نماز، درس و تدریس اور ذکرِ الٰہی، خطبہ و وعظ وغیرہ کے انتظامات عمل میں لانے کا فرض ادا نہ کر رہے ہوں اور اس کے لئے ضروری صلاحیتیں رکھنے کا ثبوت نہ دیں تو ان کو امام، خطیب، مدرس اور مؤذن کے سے حقوق حاصل نہیں ہو سکیں گے۔ ان حقوق کو دینے میں ان کی نیتوں اور عزائم اور رجحانات اور طرزِ زندگی اور قابلیتوں کو دیکھنا لازم ہوگا۔

اس فرق کو ملحوظ رکھکر غور کیجئے کہ اگر اس نئی بننے والی مسجد کے نظم و نسق کو چلانے کے لئے کوئی مجلس یا کمیٹی بنے تو اس میں صالحین کا شریک ہونا اور اسے فاسقین سے پاک کرنے کی کوشش کرنا عین اسلامی فرض ہوگا یا نہیں؟ فرض کیجیے کہ اس موقعہ پر کوئی یہ اعتراض کرے کہ کل اسی عمارت کے نظم و نسق کے چلانے کے لئے جو کمیٹیاں بناکرتی تھیں تم ان میں شریک ہونے کو حرام بتلاتے تھے، لیکن آج محض ایک اعلان اور بورڈ کے بل پر یہ حُرمت حلت میں کیسے بدل رہے ہو۔ حالانکہ معترض اس بات کو نہیں سوچ رہا کہ کل تک یہ عمارت کاملاً غیر اللہ کی ملک اور غیر اسلامی مقاصد کے لئے استعمال ہونے والی عمارت تھی اور اسکی مجلس منتظمہ نے نہ اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کیا تھا، نہ حدود اللہ کی پابندی کا اقرار کیا تھا۔ لیکن اب اس عمارت کو اللہ تعالٰی کی عبادت کا گھر بنانے کے لئے وقف قرار دیا جا چکا ہے اور اسکی مجلس منتظمہ نے اعلان کر دیا ہے کہ اب وہ اپنا دستور العمل خدا کی نیابت اور حدود اللہ کی پابندی کے اصولوں پر بناکر کام کریگی، اور اب سے اس کا مقصدِ وجود صرف یہ ہوگا کہ وہ پیشِ نظر عمارت کی تعمیرِ جدید کر کے اسے مسجد میں بدلے، غیر اسلامی شعائر و مناسک کو ختم کر کے اس میں اقامتِ صلوٰۃ کا اہتمام کرے تاکہ اس میں کما حقہٗ اللہ کا کلمہ بلند ہو۔

اس اعلان کو تسلیم کرتے ہوئے ہم یہ کہتے ہیں کہ بہت اچھا، اسلام کا قانونِ معابد یہ ہے کہ انما یعمر مساجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الاخر واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ ولم یخش الا اللہ۔ اس قانون کی رُو سے ہم اب مناسب منتظمین کو اس میں لائیں گے اور غلط قسم کے متولیوں سے پاک کریں گے۔

اس استعارے سے اب مدعا واضح ہوگیا۔ پہلے اسمبلیاں انگریز کے طاغوتی نظام کو چلانے کے لئے تھیں،

لیکن اب قراردادِ مقاصد نے ان کے مقصد کو بنیادی طور پر بدل دیا ہے۔ اب ان کا کام غیر اسلامی نظام کو ایک تیز رفتار تدریج سے اسلامی نظام میں بدلنا ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں حالتوں کا حکم ایک نہیں ہو سکتا۔

(۳) بعض حضرات یہ اعتراض بھی اٹھاتے ہیں کہ عقیدہ اور مقصد کے بدلنے کا اعلان کرنے کے باوجود ابھی تک دستور العمل تو ایکٹ ۱۹۳۵ء ہی ہے۔ یہ بجا لیکن عقیدہ و مقصد کے بدلنے کا اعلان کرتے ہی سب کچھ از خود بدل نہیں جاتا، بلکہ تبدیلی کو عمل میں لانے کے لئے ایک عبوری دور طے کرنا پڑتا ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ کیا غیر اسلامی نظام کو اسلامی نظام میں عملاً تبدیل کرنے کی بھاری مہم اہل ایمان اور صالحین کے بغیر عمل میں آ سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ کام صالحین کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پس یہ درست نہ ہو گا کہ سٹیٹ کے عقیدہ کی تبدیلی کا اعلان ہوتے کے بعد صالحین میدانِ عمل سے الگ پڑے رہیں کہ جب تک اسلام سے پھرے ہوئے لوگ اسلامی دستور بنا کر پورا اسلامی نظام قائم نہ کر چکیں گے، اس وقت تک ہم اپنی خدمات پیش نہیں کر سکتے۔ تعمیر مسجد اور اقامتِ صلوٰۃ کے اعلان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تو ہم تیار نہیں ہیں، البتہ یہ کام دوسرے لوگ کر دیں تو پھر امامت، خطابت، اذان اور درس وغیرہ کی ذمہ داریاں ہم سنبھال سکیں گے۔ حالانکہ پھر آپ کی ان خدمات کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

دراصل ۱۹۳۵ء کا ایکٹ بھی علی حالہٖ قائم نہیں رہا، بلکہ اب اس کی ترکیب یوں ہے:-

(۱) ایکٹ ۱۹۳۵ء + (۲) انڈی پنڈنس ایکٹ، ۱۹۴۷ء + (۳) قراردادِ مقاصد ۱۹۴۹ء۔ دوسرے لفظوں میں اس ایکٹ کو بدلنے کا فیصلہ بھی اب اس کے ساتھ شامل ہو چکا ہے، یا یوں کہیئے کہ اس ایکٹ کے ساتھ اس کی نفی بھی المضاعف ہے۔ پس نئے دستور کی ترتیب اور اس کے نفاذ کے دوران میں ایکٹ ۱۹۳۵ء کے بعض اجزا کو اضطراراً جوں کا توں استعمال کرنا پڑے گا اور بعض اجزا کی فوری ترمیمیں بذریعہ وقتی احکام (ordinances) کی جا سکیں گی۔

انڈی پنڈنس ایکٹ، ۱۹۴۷ء نے دوسری ترمیموں کے ساتھ ایکٹ ۱۹۳۵ء میں یہ اہم ترمیم بھی کر دی ہے کہ اب شاہِ برطانیہ کے لئے حلف وفاداری نہیں لیا جاتا اور وہ یہ جزء تھی جو شرک ہونے کی وجہ سے بنیادی طور پر سابق اسمبلیوں کی شرکت میں ایک مسلمان کے لئے حائل تھی۔ اب قراردادِ مقاصد نے اصل مرکز وفاداری یعنی حاکمیت